"خاکِ پریشاں" کا فکری و جمالیاتی مطالعہ: حامد عتیق سرور کی سنجیدہ شاعری کے تناظر میں

ڈاکٹر محمد ثقلین

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو

گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج لالیاں، ضلع چنیوٹ

اُسامہ ارشاد

متعلم، شعبہ اردو،

جی سی یونیورسٹی لاہور

Abstract

This article presents an analysis of Dr Hamid Ateeq Sarwar's poems. His books are about existential despair, unfulfilled wishes and the negative aspects of the modern lifestyle. In his poetry he mourns the decay of the human race in the mechanised era and at the same time exhibits his own spiritual and worldly consciousness. He firmly believes in speaking the truth fearlessly, regardless of risks or consequences. His poetic expression is the individual of the modern industrial age who longs for freedom of breath but whose way is blocked by social oppression. Dr Hamid Ateeq has written poetry as well as illustrated his literary talent in the area of translation, becoming influenced by the poetry of Rumi, Hafez Shirazi, Nizar Qabbani, Hakim Sanai, Qurat al Ayn Tahira, Martha Medeiros, Nazim Hikmet, Amir Khusro and Khalil Jibran.

Key Words: Khaak e Pareshan , Hamid Ateeq Sarwar, Urdu Poetry, Existentialism, contemporary Urdu literature, Human Psyche, Rumi, Martha Medeiros, Materialism, Postmodern Angst.

ڈاکٹر حامد عتیق سرور شاعری اور تراجم میں طبع آزمائی کر چکے ہیں۔ انہوں نے انگریزی روزنامہ ٹریبون میں بھی مضامین لکھے۔ اُن کی مزاحیہ شاعری کی پہلی کتاب "اٹھارویں کا چاند" ۲۰۲۰ میں منظر

عام پر آئی، دوسری کتاب ۲۰۲۴ میں "میرے جن نِکل گئے" کے نام سے شائع ہوئی، سنجیدہ شعری مجموعہ "خاک پریشاں" کے نام سے ۲۰۲۵ میں شائع ہوا۔

معروف شاعر انور مقصود لکھتے ہیں:

> "حامد صاحب حافظ، میر، غالب، بیدل، مومن، اقبال، فیض، راشد، ناصر اور جون ایلیا کو پڑھ چکے ہیں۔ جس کی وجہ سے سنجیدہ شاعری سے توبہ کرلی ہے اور غیر سنجیدہ شاعری کا دامن تھام لیا۔ مگر ایک انسان جوان شاعروں سے واقف ہو غیر سنجیدہ شاعری کیسے کر سکتا ہے۔ اس شاعری کو غیر سنجیدہ مت کہیے کہ اس سے زیادہ سنجیدہ شاعری میں نے نہیں پڑھی۔"(۱)

اپنے شعری مجموعہ خاک کے پریشاں میں انہوں نے اس بات کو سچ ثابت کر دیا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں لکھی گئی نعت میں وہ بڑی معصومیت سے اپنی اور امت کی خامیوں کی نشاندہی کرتے نظر آتے ہیں۔

ہم نام لیوا آپ کے وارث نہ بن سکے

جیسے کہ ہم کو آپ کا فرماں نہیں ملا

واقعہ کربلا، بلاشبہ آل رسول کی عظیم قربانی ہے۔ دنیا بھر سے شعرا نے اپنے اپنے انداز میں امام حسین علیہ السّلام اور شہداء کربلا کو خراج عقیدت پیش کیا۔ حامد عتیق سرور اپنے انداز میں امام عالی مقام کی عظیم قربانی کو یاد کرتے ہیں اور ایک سوال بھی کرتے نظر آتے ہیں۔

جبر پہ تیغ، نہ انکار، فقط نام حسین

یونہی لب بستہ سا اقرار، فقط نام حسین

خوشی، غمی، بے دلی یہ ایسی کیفیات ہیں جو ہر انسان پر کسی نہ کسی صورت میں ضرور طاری ہوتی ہیں۔ شاعر اور ادیب اپنے اپنے انداز میں ان کیفیات کو لفظی جامہ پہناتے ہیں۔ اسی حوالے سے سیف الدین سیف کا مشہور زمانہ شعر ہے:

سیف آنداز بیاں رنگ بدل دیتا ہے

ورنہ دنیا میں کوئی بات نئی بات نہیں(۲)

اپنے اپنے انداز بیان میں شاعروں، ادیبوں نے ایسے ایسے رنگ بدلے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، ایک ہی بات کو نئے انداز سے بیان کرنا فنی چابکدستی کی نشانی ہے۔ لیکن، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جب نیا کچھ کہنے پر طبیعت مائل نہیں ہوتی اور اس (کچھ نیا نہ کہنے) کی کیفیت کو حامد عتیق سرور کس انداز میں بیان کرتے ہیں:

ہمیں وہ زندگی بخشی گئی ہے

جو پہلے بارہا جی جا چکی ہے

نیا کہنے کو شاید کچھ نہیں ہے

خوشی ہے، غم ہے یا پھر بے دلی ہے

"انتخاب" ایک وجودی رویہ ہے جس میں انسان دانستہ یا غیر دانستہ طور پر خود کو کسی کیفیت میں مبتلا کر لیتا ہے۔ وہ اپنے اندر عدالت لگا لیتا ہے اور خود کو سزا دیتا ہے۔ انسان اپنے آپ سے فرار چاہتا ہے لیکن وہ ناکام رہتا ہے ایسے میں وہ خیالوں کی دنیا میں پناہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حامد عتیق سرور کہتے ہیں:

بھلے گزرے تو گزرے بے حقیقت

مگر اتنا تو ہو، اپنی سی کی ہے

انسان ہمیشہ کچھ نیا جاننا چاہتا ہے۔ شاید یہ جذبہ فطری طور پر اس کے جینز میں شامل کر دیا ہے۔ وہ ہر وقت متجسس رہتا ہے۔ تبھی ایک چھوٹے بچے کو جب کھلونا دیا جاتا ہے وہ اسے کھولنے کی کوشش کرتا ہے وہ جاننا چاہتا ہے اس کے اندر کیا ہے۔ اسی تجسس نے انسان کو آج مصنوعی ذہانت (Artificial Intelligence) کی دنیا سے روشناس کروا دیا ہے۔ بعض اوقات انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ یہ سب کیسے ممکن ہو سکتا ہے لیکن اگلے ہی لمحے وہ ایک قدم آگے بڑھ جاتا ہے۔ یعنی اب جو انسان نے سوچ لیا وہ ہو گیا۔ اس صورت حال کی نشاندہی مرزا غالب کے اس شعر سے ہو جاتی ہے۔

ہستی کے مت فریب میں آ جائیو اسدؔ

عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے(۳)

کائنات کی وسعت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ کہنے کو یہ ان گنت نوری سالوں پر پھیلی ہوئی ہے انسان دوسرے سیاروں پر زندگی کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ وہ ابھی تک اصل حقیقت تک نہیں پہنچ سکا۔ سینکڑوں ہزاروں ایسے ذہن آئے جنہوں نے اس حقیقت کو جاننا چاہا وہ سب اپنی سی کوشش کر کے چلتے بنے۔ حامد عتیق سرور اپنی نظم میری جنت میں لکھتے ہیں:

"یہ ساری کائناتوں کی جو وسعت ہے
یہ لاتعداد نوری سال تک پھیلے ہوئے لمحے
سمٹنے پر جو آجائیں تو ذرّے میں اُتر جائیں
اگر ذرے کو چیریں اک نئی دنیا نِکل آئے
خدا کے علم کی بے انت وسعت کو
کہاں کوئی سمجھتا ہے
مگر تھوڑی سی کوشش
کر چکے ہیں پاسکل، ہاکنگز
کہیں پر نیلز بوہر اور نیوٹن
اور——ان جیسے ہزاروں اور دیوانے"

جدیدیت نے انسان کو نامیاتی معاشرے سے کاٹ دیا ہے اب اس کی حیثیت محض ایک مشین کی سی رہ گئی ہے۔ ایک ایسی مشین جو کام دیتی رہے تو ٹھیک ورنہ اسے کسی کباڑ خانے کی اندھیری کوٹھری میں پھینک دیا جاتا ہے۔ اس دور میں انسان کی قدر و قیمت اس اسے زیادہ نہیں رہی وہ زندگی کا بیشتر حصہ کاروبار زمانہ میں صرف کر دیتا ہے جس کی وجہ سے اس کا ذہنی سکون تباہ ہو جاتا ہے وہ یہ سوچتا ہے کہ اب محنت کر لی جائے تو آنے والا وقت بہتر ہو جائے گا لیکن آخری عمر میں جب وہ کچھ کرنے کے قابل

نہیں ہوتا اس کی زندگی ایک کمرے تک محدود ہو جاتی ہے۔ اس کی تمام خدمات کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے اور وہ خوف بھری تنہائی میں اپنا آخری وقت گزارتا ہے۔ حامد عتیق سرور لکھتے ہیں:

ٹوٹے بلب کی خالی تار پے تاریکی کا راج

جیسا دل پر بھاری کل تھا، کل سے بھاری آج

انسان ترقی تو خوب کر رہا ہے لیکن جس رفتار سے ترقی ہو رہی ہے اسی رفتار سے انسانیت زوال کا شکار ہے۔ دنیا کے بڑے شہروں میں جہاں روزانہ کی بنیاد پر کروڑوں اربوں کا کاروبار ہو رہا ہے انہی شہروں میں انسانی قبروں کی جگہ تنگ پڑ گئی ہے۔ سرمایہ داروں نے مزدور طبقے کے لیے یہ دنیا جہنم بنا دی ہے۔ دو وقت کی روٹی کے عوض معصوم لوگوں کا خون چوسا جا رہا ہے۔ زمانی اعتبار سے تو یہ جدید دنیا ہے، لیکن اس کی اخلاقیات زمانہ جاہلیت والی ہیں۔ حامد عتیق سرور اس صورت حال کی منظر کشی یوں کرتے ہیں:

کہیں پیرس میں گمنامی کی قبریں

کبھی لندن میں منزل آخری ہے

مگر یہ آپ سب، جاں کی اماں ہو

زمانہ آپ کا دسویں صدی ہے

زندگی کو نامکمل خواہشات کا مجموعہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا انسان اس دنیا میں کیا کیا خواب دیکھتا ہے۔ اُن خوابوں کا پیچھا کرتا ہے اپنا وقت، اپنا سرمایہ ان خواہشات کے حصول میں صرف کرتا ہے لیکن پھر بھی وہ سب نہیں پا سکتا جس کا وہ خواب دیکھتا ہے اور اپنا سا منہ لے کر بیٹھ جاتا ہے۔ شاید یہی قدرت کا نظام ہے کہ ہر انسان کو اُس کی خواہش کے مطابق نہیں ملتا اگر ایسا ہو تو کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ ایسے میں ایک انسان سوال کرتا ہے کہ میری زندگی تو خواہشات سے خالی رہی میں نے کبھی کچھ نہ مانگا اور پہلی دفعہ جب میں نے ایک چیز کی خواہش کی تو دستِ قدرت کو گوارا نہ ہوا۔ حامد عتیق سرور لکھتے ہیں:

"عشق اور شاعری تو دائرے سے نکلنے والی عمودی لکیر ہے جس پر جاتے ہوئے تمہیں خوف آتا ہے۔ سانپ سے ڈر کر، سیڑھی سے بچتے ہوئے، ایک ایک اور دو دو خانوں کا سفر کرتے ہوئے اگر گھر تک پہنچ بھی گئے تو راستے کی بے دلی اور تھکن منزل کا مزہ کرکرا ہی رکھے گی۔ مہر اور قہر کے بنا سچا شعر کون لکھتا ہے؟ سو خاموش رہتے تو بہتر تھا۔"(۴)

ارادے توڑتا ہے دست قدرت

سو اب ہم بے ارادہ جی رہے ہیں

حامد عتیق سرور کے شعری مجموعہ "خاک پریشاں" میں ایک حصہ تراجم اور ماخوزات کا ہے۔ جس میں حافظ شیرازی، نزار قبانی، حکیم سنائی، قرۃ العین طاہرہ، مارتھا میڈیرو، ناظم حکمت، جلال الدین رومی، امیر خسرو اور خلیل جبران کے شعری تراجم اور ماخذات درج ہیں۔ جس سے ان کے مطالعے کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کی ایک نظم "یہ سمجھو دھیرے دھیرے مر رہے ہو" برازیل کی شاعرہ مارتھا میڈیرو کی نظم(A MorteDevagar (A Slow Death سے ماخوذ ہے جس کے بارے میں لکھتے وہ ہیں:

"مارتھا میڈیرو برازیل کی تون صحافی اور شاعرہ ہیں۔ سن 2001 میں ان کی یہ نظم پرتگالی زبان میں چھپی۔ نظم لازوال تھی سو مشہور بھی ہوئی اور جب دوسری زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا تو بد قسمتی سے یہ نظم پابلو نیرودا سے منسوب ہونا شروع ہو گئی جن کا انتقال 1973 میں ہو چکا تھا۔ انٹرنیٹ نے اس بات کو اتنا بڑھاوا دیا کہ بے چاری مارتھا کو چلی میں پابلو نیرودا فاؤنڈیشن سے اس بات کا اعلان کروانا پڑا کہ یہ نظم نیرودا کی نہیں"(۵)

نظم سے ایک حصہ ملاحظہ کیجئے:

اگر محفوظ رہنا ـــــــ

زندگی کے لطف سے اچھا لگے تو

اگر خوابوں کے پیچھے بھاگنا

کارگراں ہو

اگر اک بار بھی

جیون کی لایعنی و مہمل، بے کراں یکسانیت سے

کبھی خود کو رہا کر کے

نہ جا پاؤ کہیں بھی

یہ سمجھو دھیرے دھیرے مر رہے ہو

مولانا جلال الدین رومی کے دل میں جب اپنے استاد شاہ شمس تبریز کی محبت و عقیدت حد سے بڑھنے لگی، تو یہ بات اُن کے اہلِ خانہ اور دوست احباب کو سخت ناگوار گزری اُن لوگوں نے شاہ شمس تبریز کو مختلف طریقوں سے تنگ کرنا شروع کر دیا۔ استاد اور شاگرد اس حرکت سے بہت پریشان تھے۔ مولانا جلال الدین رومی کو یہ ہر گز گوارا نہ تھا کہ وہ اپنے استاد کی جدائی برداشت کریں۔ اس حوالے سے دو روایت مشہور ہیں ایک تو یہ کہ مولانا جلال الدین رومی کے قریبی لوگوں نے شاہ شمس تبریز پر قاتلانہ حملہ جس کے نتیجے میں وہ جان بحق ہو گئے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اُن لوگوں سے تنگ آ کر شاہ شمس تبریز اپنے آبائی علاقے کی طرف لوٹ گئے اور یہاں رومی اپنے استاد کی جدائی میں تڑپنے لگے۔ رومی نے اپنے استاد کی جدائی میں جو شہرۂ آفاق غزل کہی اس کا منظوم ترجمہ حامد عتیق سرور نے کیا ہے جسے فارسی متن کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ دونا مزہ دیتی ہے، شعر درج ہے:

بشنیدہ ام کہ عزمِ سفر می کنی مکن

مہرِ حریف و یار دگر می کنی مکن (٦)

ترجمہ:

سنتے ہیں تیرا اذنِ سفر، چھوڑ کر نہ جا

دل میں بسا کے یار دگر، چھوڑ کر نہ جا

حوالہ جات:

۱: حامد عتیق سرور، ڈاکٹر، میرے جن نِکل گئے، لاہور، مکتبہ جدید پریس، ۲۰۲۴، سرورق کی پشت

۲: سیف الدین، سیف، خم کاکل، لاہور، الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۱، ص ۲۸

۳: غلام رسول مہر، مرتب، دیوان غالب، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ص ۱۹۳

۴: حامد عتیق سرور، ڈاکٹر، خاکِ پریشاں، لاہور، مکتبہ جدید پریس، ۲۰۲۵، ص ۱۸

۵: حامد عتیق سرور، ڈاکٹر، خاکِ پریشاں، لاہور، مکتبہ جدید پریس، ۲۰۲۵، ص ۱۹۱

۶: رومی، مولانا جلال الدین، دیوان حضرت شمس تبریز، لکھنؤ، منشی نول کشور، ۱۸۸۲، ص ۱۷۱